''صحابہ کرام کا اسلوب دعوت وتبلیغ''

نظریہ حیات کوئی سا بھی کیوں نہ ہو، جب تک اسے اشاعت پذیر کرنے کا شعوری اہتمام نہ کیا جائے، وہ سمٹ کر چند دماغوں تک محدود رہ جائے گا اور امتداد وقت کے ساتھ ساتھ اپنی اہمیت کھو بیٹھے گا۔ اسلام ایک نظریہ حیات کی حیثیت سے ابتدا ہی سے اس امر کا متقاضی رہا ہے کہ اسے دوسروں تک پہنچانے کا اہتمام کیا جائے۔ آدم علیہ السلام سے لے کر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک اللہ کا پیغام ملکوتی واسطوں سے انبیاء ورسل تک پہنچا اور پھر انھوں نے اسے خلق خدا تک پہنچانے میں اپنی بھرپور توانائیاں کھپا دیں۔ یہ سلسلہ ایسا مہتم بالشان رہا کہ اس میں کوئی کڑی گم نہیں ہونے پائی۔ خدائے عز وجل نے بات کبھی براہ راست قلب پیغمبر پر الہام کی تو کبھی ملکوتی وسیلے سے القا والہام کا سلسلہ جاری رکھا۔ اب ان رسولان برحق کی ذمہ داری ٹھہری کہ وہ بحیثیت انبیا کے عالم کو ان آسمانی خبروں سے آگاہ کریں۔ یہ نفوس قدسیہ اپنے اپنے دائرۂ کار میں یہ فریضہ انجام دے کر رخصت ہوئے۔ مشیت الٰہی سے اس سلسلۃ الذہب کے روشن دل افراد کا دائرہ کار کبھی قومی سطح تک اور کبھی ملکی وجغرافیائی حدود وثغور تک محدود رہا۔ تاہم جب کار نبوت اپنے انتہائی نقطہ عروج تک پہنچ گیا تو خدائے قدوس نے اسے عالمگیر اور آفاقی انداز عطا کر دیے اور جس رسول اعظم وآخر پر ختم نبوت کرنا تھی، اسے 'وما ارسلناك الا كافة للناس بشيرا و نذيرا' کے حسین لفظوں سے مخاطب فرما کر اس پیغام کو پوری انسانیت کے لیے عام کر دیا۔ اب یہ پیغام تمام زمانی ومکانی حدود وثغور کو پار کرتا ہوا جملہ اکناف عالم تک جا پہنچا۔ جس بالا بلند ہستی کو اس پیغام کے لیے اختصاص عالمگیریت بخشا گیا، اسے اس بات کی ذمہ داری بھی سونپ دی گئی کہ 'يا ايها الرسول بلغ ما انزل اليك من ربك وان لم تفعل فما بلغت رسالتهٗ۔

یوں تبلیغ دین فریضہ پیغمبر ٹھہرا۔ حق یہ ہے کہ پیغمبر نے ہر کڑی آزمایش جھیلی، ہر دکھ بطیّب خاطر اٹھایا، ہر کٹھن مرحلہ طے کیا اور پوری دل سوزی اور جانفشانی سے اس خوشگوار فریضے کو انجام دیا۔ کبھی ایسا بھی ہوا کہ خود خالق اکبر نے اپنی شان رحیمی کے جوش میں رحمۃ للعالمین کی دل گدازیوں کی قدر افزائی کرتے ہوئے فرمایا: 'لعلك باخع نفسك

علی آثارھم ان لم یؤمنوا بھذا الحدیث اسفا' تبلیغ ودعوت کوتو فریضہ قرار دیا گیا، مگر اس امر کی ذمہ داری نہیں ڈالی گئی کہ ایک ایک مدعو حلقہ بگوش اسلام ہوگا تو پیغمبر اس دنیا سے رخصت ہوگا، بلکہ اس طمانیت بخش اور دل نواز ارشاد سے نوازا گیا کہ 'انما علیك البلاغ وعلینا الحساب'۔

سرکار رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوتی سرگرمیوں کی ابتدا آغاز نبوت ہی سے ہوگئی اور پھر تیئیس سال کے عرصے کا ایک ایک لمحہ انھی تبلیغی مساعی میں بیتا۔ آپ کی دعوتی مصروفیات کے ساتھ ساتھ صحابہ کرام کی تبلیغی کوششیں بھی برابر جاری رہیں۔ اس کار دشوار میں اس فریضے کی یاد دہانی کوئی ایک لاکھ فرزندان توحید کے سامنے ان الفاظ کے ساتھ کرادی گئی کہ 'فلیبلغ الشاھد الغائب'۔ اور 'بلغوا عنی ولو آیة' کے الفاظ ہر مسلمان کو اس فریضے کا بقدر استطاعت مکلّف کر رہے ہیں۔ صحابہ کرام تو پہلے بھی اس فریضے سے غافل ومتساہل نہ تھے، اب اور بھی زیادہ سرگرم عمل اور حساس ہو گئے۔ ان کا یہی احساس دعوت تھا جس نے آئندہ ادوار میں اس پیغام الٰہی کو دنیا کے ہر کونے تک پھیلا دیا۔

ان کا طریق دعوت کیا تھا؟ کون سے وسائل وذرائع اختیار کر کے فرزندان آدم کے اس پاک باز گروہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مشن کی تکمیل کے اس کام کو تسلسل بخشا؟ یہ ایک سوال ہے جس کا جواب کتاب اللہ کے مابین الدفتین اور پھر حدیث کے مبارک ذخیرے میں بکھرے موتیوں کی طرح جا بجا جھلک جھمک رہا ہے۔ انھی چمکتے دمکتے موتیوں کی آب وتاب کو بعض اہل علم نے اپنی علمی کوششوں سے تدوین وترتیب کا نیا پیراہن دے کر اس میدان میں علمی وعملی دلچسپی رکھنے والے داعیان اسلام کے لیے کام آسان کر دیا ہے۔ (ان کتابوں میں سے کم از کم ۱۲ وقیع شہ پاروں کا زیر نظر کتاب کے صفحہ ۳۳، ۳۴ اور ۳۵ کے حواشی میں تفصیلی ذکر موجود ہے)۔ یہ کتابیں بالعموم صحابہ کرام کے اسلوب دعوت پر خاصی روشنی ڈالتی ہیں۔ متداول طریقوں کو ان میں سے بعض حضرات نے جزوی طور پر موثر قرار دیا ہے، تاہم بعض دوسروں نے ان طریقہ ہائے دعوت سے اختلاف کر کے ان کی کمزوریوں کی نشان دہی بھی کی ہے۔ مثال کے طور پر ''دعوت دین اور اس کا طریق کار'' میں مولانا امین احسن اصلاحی نے مروجہ طرق دعوت پر گرفت کر کے ان کی غلطیوں پر انگلی رکھی ہے:

> ''ہمارے نزدیک مروجہ طریقہ تبلیغ میں علمی اور عملی دونوں قسم کی غلطیاں ہیں۔ دوسرے لفظوں میں یوں سمجھیے کہ یہ طریقہ تبلیغ اپنے فلسفہ کے اعتبار سے بھی غلط ہے اور اپنے طریقہ کار کے پہلو سے بھی غلط ہے، چنانچہ یہی وجہ ہے کہ تبلیغ اسلام کے نام سے اب تک جتنی جدوجہد بھی کی گئی ہے، وہ بیشتر نہ صرف یہ کہ اصل مقصد کے لحاظ سے لاحاصل رہی ہے بلکہ الٹا اس سے اسلام کی دعوت کو سخت نقصان پہنچا ہے۔''

اب سوال یہ ہے کہ وہ کون سا اسلوب دعوت وتبلیغ ہے جس کو اپنا کر صحابہ کرام اس مشن میں کام یاب ہوئے اور جسے آج بھی حرز جان بنا کر مختلف خطہ ہائے ارض پر مختلف شعوب وقبائل کو قائلِ پیغام اسلام اور مائلِ دین وایمان کیا جا سکتا ہے؟ اسی ایک سوال کا جواب ہمارے سامنے کی یہ کتاب ''صحابہ کرام کا اسلوب دعوت وتبلیغ'' پیش کر رہی ہے۔ کتاب کے مصنف پروفیسر محمد اکرم ورک اسلامی علوم کے ایک نوجوان ریسرچ اسکالر ہیں۔ کتاب کمپیوٹر پر طبع شدہ ۳۵۲ صفحات پر مشتمل ہے اور مکتبہ جمال کرم لاہور نے اسے خوب صورت سرورق کے ساتھ طبع کیا ہے۔ کتاب کے مشمولات پر ایک نظر ڈالنے سے پروفیسر موصوف کی اس نوجوانی کے عالم میں گہری علمی بصیرت اور موضوع زیر نظر کے لیے ان کی عقلی اور سائنٹفک اپروچ کا پتہ چلتا ہے۔ یہ تنقیح مسائل اور احقاق حق میں خاصی شعوری کوشش ہے۔ غیر جذباتی انداز میں تحقیق کاری کے جملہ لوازم کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔ کتاب کے محتویات کے سرسری جائزے سے معلوم ہوتا ہے کہ ہمارا قلم کار عنوانات کو چابک دستی سے مرتب ومدون کرنا جانتا ہے۔ 'دعوت کی اہمیت'، 'داعیان اسلام کے لیے رہنما اصول'، 'صحابہ کرام کی دعوتی سرگرمیاں'، 'مکی اور مدنی ادوار کا نازک فرق'، 'نبوی سفرا کی سیرتوں کی شفافیت'، 'فروغ اسلام کی عمومی وجوہات' جیسے عنوانات قائم کر کے بڑی علمی گہرائی اور گیرائی سے کلام کیا ہے۔ قرآن وحدیث سے استناد کر کے بنیاد داعی کے اسلوب دعوت میں علمی سے بڑھ کر عملی جہد مسلسل پر رکھی ہے۔ صحابہ کرام کی انفرادی دعوت ہو یا اجتماعی جہد وپژوہش، ان کے کردار ہی کو اولیت دے کر اس گوشے کو highlight کرنے کی بھرپور کوشش کی ہے۔ آنحضور کا دعوتی منہاج ہی ان حضرات کے لیے مشعل راہ رہا، اس لیے ان کا آپس میں بعض امور میں اختلاف بھی منشاے رسول کا غماز ہے۔ کتاب میں اس کی کئی مثالیں موجود ہیں۔ مثال کے طور پر حضرت عمار بن یاسر کے بلند جگہ پر امامت کرانے پر حضرت حذیفہ کا فرمان رسول یاد کرانا اور عمارؓ کا فرط اطاعت رسول سے سر تسلیم خم کر دینا اس کی روشن مثال ہے۔ الم تسمع رسول الله يقول اذا ام الرجل القوم فلا يقم فى مكان ارفع من مقامهم قال عمار لذالك اتبعتك حين اخذت على يدى۔ (ص ۳۰۶)

داعی کے اوصاف جگہ جگہ باضابطہ طریقے سے بالوضاحت بیان کیے گئے ہیں اور مدعو کے میلانات، رجحانات، ذہنی صلاحیت وصالحیت، پس منظر وپیش منظر، نفسیاتی کیفیات ومعاشرتی حیثیت کے لحاظ سے دعوت دین کے جو وسائل وطرق صحابہ کرام نے استعمال کیے، موصوف نے انھیں نہایت تحقیقی انصرام سے پیش کیا ہے۔ دور نبوی کے مراکز تبلیغ پر بڑے اچھوتے انداز سے قلم اٹھایا ہے اور مستند روایات سے ان کا تفصیلی تذکرہ کیا ہے۔ انھوں نے ایک سچے اور بے لاگ محقق کی طرح طریقہ تحقیق کی وضاحت بھی کر دی ہے۔ قرآن نے دعوت کے جو زریں اصول مجملاً بیان کیے ہیں، مولف نے انھیں آیت قرآنی 'ادع الى سبيل ربك' (۱۲۵/۱۶) کی روشنی میں مبلغ کی جملہ دعوتی سرگرمیوں کا محور

بنایا ہے۔

یہ بھی جان لینا چاہیے کہ کوئی بھی انسانی کوشش مکمل و اکمل نہیں ہوتی۔ 'خلق الانسان ضعیفا' کے مصداق ہر انسانی کوشش میں کوتاہیاں اور کمیاں رہ جاتی ہیں کہ اس کی فطرت کا خاصہ ہے۔ یوں بعد میں آنے والے ان کا احساس کر کے ان کے ازالے کی کوشش کرتے ہیں۔ یوں خوب سے خوب تر کی تلاش جاری رہتی ہے۔ کبھی تو 'نقاش نقش ثانی بہتر کشد زاول' اور کبھی کوئی دوسرا محقق ان خلاؤں کو پر کر دیتا ہے جو پہلے کے کام میں رہ گئی ہوں۔

ص ۳۷ پر الفاظ ہیں: ''دعوت کے دو بنیادی کردار ہیں۔ ایک داعی اور دوسرا مدعو'' یہ بات بالکل سچ ہے، مگر ان کرداروں کا رول اس وقت تک نتیجہ خیز نہیں ہو سکتا جب تک مضامین دعوت کا بھی کسی قدر تفصیل سے تذکرہ نہ ہو۔ جس طرح داعی اور مدعو یا مخاطِب اور مخاطَب پر مختلف عنوانات سے تفصیلی بحث آ گئی ہے، دعوت و پیغام کے جاندار اور شاندار ہونے پر بھی کچھ کلام ہو جاتا تو شاید بہتر ہوتا۔ داعی کتنا ہی بلند فکر اور زوردار شخصیت کا مالک کیوں نہ ہو، مخاطبین اثر پذیر نہیں ہو سکتے جب تک کہ مضامین دعوت یا پیغام ہی جاندار نہ ہو۔ میری دانست میں بہتر تھا کہ ان مضامین دعوت کی اثر انگیزی پر بھی اجمالاً ہی سہی، بات ضرور ہوتی۔

کتاب اپنی ہمہ جہت خوبیوں کے باوصف ایک کمی کا شدت سے احساس دلاتی ہے اور وہ یہ کہ مسودہ خوانی کو گلدستہ طاق نسیاں کر دیا گیا ہے۔ پوری کتاب پر اس زاویہ نگاہ سے نظر ثانی کی ضرورت ہے۔ خیال ہے کہ نقش ثانی ان معائب سے مبرا ہوگا۔ تاہم ان جزوی اور ثانوی کمیوں کے باوصف کتاب اہمیت و افادیت کے اعتبار سے تحقیق و جستجو کا عمدہ نمونہ ہے:

☆ روایات میں جھول نہیں، کوئی روایت پایہ استناد سے گرنے نہیں پائی۔

☆ ہر واقعے کو روایت و درایت کی کسوٹی پر بآسانی پرکھا جا سکتا ہے۔

☆ قرآنی آیات سے استدلال برمحل بھی ہے اور مناسب حال بھی۔

☆ حوالے تفصیلی ہیں جن سے قاری کسی بھی آیت یا حدیث کو بآسانی قرآن مجید یا مجموعہ ہائے حدیث سے تلاش کر سکتا ہے۔ تاہم یہ بات پیش نظر رہے کہ حوالہ اگر کتب متداولہ برصغیر سے ہے تو مطبع کا حوالہ ضروری ہے، ورنہ جدید کتب کا حوالہ رقم حدیث کی صورت میں دیا جانا چاہیے۔

☆ کتابیات میں ٹھیک ٹھیک تحقیقی مقالے کا انداز اختیار کیا گیا ہے۔

☆ انداز بیاں علمی ہونے کے باوجود سادہ، دل نشیں اور پرکشش ہے۔ چند صفحات کے مطالعے کے بعد مزید تشنگی کا احساس ہوتا ہے۔